مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی خاکہ نگاری
'پرانے چراغ کے حوالے سے''

ڈاکٹر انور محمود خالد☆

'' پرانے چراغ.....مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے تحریر کردہ شخصی خاکوں پر مشتمل ہے اور ان کی سب سے دل چسپ تصنیف ہے۔ یہ کتاب دو حصوں میں تقسیم ہے۔ حصہ اول میں اٹھارہ (18)۔ خاکے ہیں اور حصہ دوم میں چوبیس (24)، یوں ان کے لکھے ہوئے خاکوں کی تعداد بیالیس (42) بنتی ہے۔ دونوں حصے، دو الگ الگ جلدوں کی شکل میں شائع ہوے ہیں۔ اس کتاب کی پہلی جلد پاکستان میں ۱۹۷۵ء میں اور دوسری جلد ۱۹۸۱ء میں شائع ہوئی۔ پہلی جلد ۴۳۱ صفحات پر محیط ہے۔ ''پرانے چراغ'' کی پہلی جلد کے ۱۸ خاکوں کو پانچ عنوانوں کے تحت شامل کیا گیا، چند بلند پایہ عالم ورہنما'' کے عنوان سے مولانا سید سلیمان ندوی' مولانا سید مناظر احسن گیلانی اور مولانا سید حسین احمد مدنی کے بارے میں مصنف نے اپنے تأثرات ومشاہدات پیش کیے ہیں۔'' چند مشائخ کبار ومصلحین'' کے عنوان کے تحت مولانا اشرف علی تھانوی' مولانا احمد علی لاہوری اور مولانا وصی اللہ فتح پوری کے بارے میں دل چسپ واقعات درج ہیں۔'' چند اساتذہ کرام'' کے زیرِ عنوان' مولانا حیدر حسن خاں ٹونکی، مولانا خلیل عرب اور مولانا سید طلحہ حسنی کے حضور مصنف کا خراجِ عقیدت ہے۔'' چند ہستیاں۔ بلند مقام لیکن گمنام'' کا عنوان درج کر کے مولانا شاہ حلیم عطا سلونی، مولانا حکیم سید حسن مثنیٰ ندوی امروہوی، سید صدیق حسن اور الحاج سید محمد خلیل نہٹوری جیسی، شخصیات کو پردہ گمنامی سے باہر لایا گیا ہے۔'' چند

☆ سابق صدر شعبہ اردو گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد صدر عالمی رابطہ ادب اسلامی، فیصل آباد (فرع)

ہستیاں ، کچھ دوست ، کچھ بزرگ'' کا عنوان قائم کر کے مولانا مسعود عالم ندوی' ڈاکٹر سید محمود ، ڈاکٹر محمد عبدالجلیل فریدی اور مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی کو محبت وعقیدت کے ساتھ یاد کیا گیا ہے۔

''پرانے چراغ'' کی دوسری جلد کے ۲۴ خاکوں کو چھ (۶) عنوانوں کے تحت تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے عنوان: ہندستان کے چند اہل کمال ومشاہیر رجال'' میں مولانا محمد علی جوہر، نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی، مولانا ابوالکلام آزاد اور ڈاکٹر ذاکر حسین جیسی معاصر شخصیات کی سیاسی ،علمی اور ادبی خدمات کا اعتراف کیا گیا ہے۔ دوسرے عنوان : چند بزرگ شخصیتیں'' کے ماتحت مفتی امین الحسینی ،مولانا مسعود علی ندوی ،مولانا عبدالباری ندوی اور مولانا محمد سلیم کی جیسے بزرگوں کو ان کی خدمات ملّی پر احترام کے ساتھ یاد کیا گیا ہے۔ تیسرے عنوان: ''نامور ادیب وانشا پرداز'' میں مولانا عبدالماجد دریا آبادی ، رشید احمد صدیقی ، غلام رسول مہر اور ماہر القادری جیسی شخصیات کے بارے میں نادر و نایاب معلومات فراہم کی گئی ہیں ، چوتھے عنوان: ''چند علماے کبار'' کے تحت مولانا عبدالشکور فاروقی ، علامہ بہجہ البیطار، مولانا اویس ندوی کے بارے میں مصنف نے اپنے تاثرات پیش کیے ہیں : پانچویں عنوان: ''چند محترم احباب ومعاصر'' میں صوفی عبدالرب ،مولانا ابوبکر غزنوی ،مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی جیسی ہستیوں کو ان کی گراں قدر دینی اور علمی خدمات کے حوالے سے یاد کیا گیا ہے۔ چھٹے عنوان: ''سینے کے داغ میں انہوں نے اپنی چند عزیز اور رشتے دار ،محبوب شخصیتوں کی یاد تازہ کی ہے جو انہیں داغ مفارقت لے گئیں۔ ان میں مولانا سید ابوالخیر برقؔ ،محترمہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ، محمد الحسنی عرف محمد میاں مرحوم اور مولوی اسحاق جلیس ندوی جیسی کم معروف ہستیاں شامل ہیں۔

''پرانے چراغ'' کے یہ سب مضامین مصنف نے معاصر شخصیات کی وفات کے بعد لکھے ،لہذا انہیں اُن شخصیتوں کی سوانح حیات یا مکمل تذکرہ وتاریخ یا ادبی خاکے سمجھنا غلط ہوگا۔ یہ کتاب درحقیقت نقوش وتاثرات کا ایک مجموعہ ہے جو اپنی یادوں ، ذاتی تجربات ، وواقعات ، خطوط اور ذاتی تحریروں کی مدد سے تیار کیا گیا ہے۔ مصنف کی زندگی کا بڑا حصہ مدرسے کی فضاء

اور دینی ماحول میں گزرا ہے اور اُس نے اپنی شعوری اور علمی زندگی کا سفر تدریس وتصنیف سے شروع کیا، اس لئے قدرتاً اُس کے تاثرات و بیانات میں ذاتی ذوق ورجحان، ذاتی زندگی اور ذاتی پسند وناپسند کے عناصر نمایاں ہیں۔ ان شخصی خاکوں کے ذریعے مصنف نے انسانی زندگی، اسلامی سیرت واخلاق اور ظاہری وباطنی کمالات کے کچھ عملی نمونے سامنے لانے کی کوشش کی ہے۔

یوں تو ''پرانے چراغ'' کی دونوں جلدوں میں شامل بیالیس کی بیالیس شخصیات کے خاکے ہی ان بزرگوں، استادوں، دوستوں اور عزیزوں کے متعلق تعارف، مشاہدات، واقعات اور معلومات کا نادر خزانہ ہیں لیکن پہلی جلد میں کم از کم تین شخصیات ایسی ہیں جن پر مصنف نے اپنا زورِ قلم زیادہ صرف کیا ہے۔ پہلی شخصیت مولانا سید سلیمان ندوی ہیں، دوسری مولانا مسعود عالم ندوی اور تیسری ڈاکٹر سید محمود، جن کے لیے بالترتیب کتاب کے ۴۴، ۴۰۔ اور ۵۱ صفحات وقف کیے گئے ہیں۔ اوّل الذکر کو انہوں نے بلند پایہ عالموں میں اور باقی دو کو اپنے دوستوں میں شمار کیا ہے۔ ان تینوں شخصی خاکوں میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا تحریر کردہ بہترین خاکہ مولانا سید سلیمان ندوی کا ہے، جو کتاب کا سب سے پہلا خاکہ بھی ہے۔ گو مصنف نے کتاب کے پیش لفظ میں واضح کیا ہے کہ ''اِن مضامین کی ترتیب اور شخصیتوں کی تقدیم وتأخیر میں اُن کے زمانۂ وفات کا لحاظ رکھا گیا ہے، یعنی اپنے اپنے گروہ میں جن کی وفات پہلے ہوئی، اُن کو پہلے جگہ دی گئی اور جن کی وفات بعد میں ہوئی ان کا تذکرہ بعد میں کیا گیا، اِس طرح مضامین کی ترتیب تاریخی اور زمانی ہے، شخصیتوں کے علم وفضل اور اُن کے مرتبے اور مقام کے درجات پر مبنی نہیں'' ۔۔۔۔۔۔ لیکن یہ عجیب حُسن اتفاق ہے کہ خاکوں کی ترتیب میں جو شخصی خاکہ سرِ فہرست ہے، وہی مصنف کا بہترین خاکہ بھی ہے۔

''مولانا سید سلیمان ندوی'' کے عنوان سے لکھے ہوئے خاکے میں مصنف نے اپنے ممدوح کے ساتھ اپنے خاندانی تعلقات اور عزیزانہ روابط کا سب سے پہلے تذکرہ کیا ہے اور عام تأثر کے برعکس واضح کیا ہے کہ سید صاحب اپنے بے تکلّف احباب میں بڑے ظریف، نکتہ سنج، سبک رو اور خوش مذاق تھے، لیکن اُن کے مذاق میں بھی ایک علمی وادبی شان ہوتی تھی۔ اِس کے بعد اُن کی تصویر یوں کھینچی ہے: ''سراپا وقار، مجسم متانت، قد میانہ، مائل بہ پستی، چہرہ سے معصومیت

اور شرافت نمایاں ۔ دیکھ کر دل شہادت دیتا تھا کہ اِن میں دوسروں کو ایذا پہنچانے اور دل دُکھانے کی صلاحیت ہی نہیں ۔ لباس نہایت صاف ستھرا، جس پر کہیں نکتہ چیں اور دُور بین کو بھی کوئی دھبہ یا شکن نظر نہ آئے ۔ ہر چیز نفاست اور نستعلیقی پر دال شیروانی کسی قدر لانبی ۔ عمامہ سر پر نہایت سفید اور صاف اور اُس کے پیچ نہایت خوبصورتی سے دیئے ہوئے ۔ آواز پست جو قرب کے باوجود بغیر قدر دانی اور شوق کے سُنی نہ جا سکے ۔ بالعموم کم گو اور بقدر ضرورت بولنے والے ۔ آنکھوں سے حیا اور ذہانت کا اظہار، کچھ نہاں، کچھ آشکار، جب کہیں تشریف لاتے، مخالف اور موافق فضل و کمال کے معترف اور اُن کے منکر ۔ دونوں، احترام پر مجبور ہو جاتے ۔''

''سید صاحب نے جن اساتذہ اور علمی سرپرستوں کی رہنمائی اور جس ماحول میں ذہنی و علمی تربیت حاصل کی تھی، اُس کا ایک نتیجہ یہ تھا کہ اُن کی نظر میں وسعت اور اُن کی طبیعت میں اعتدال تھا ۔ اُن میں نہ بہت سے قدیم علماء کا سا جمود اور گروہی عصبیت تھی، نہ جدید طبقے کی عجلت و سطحیت اور یورپ کی مرعوبیت تھی ۔ وہ اپنے تعلیمی خیالات سے لے کر فقہی مسلک تک وسیع النظر، وسیع القلب اور معتدل تھے ۔ ایک چیز جو اُن کی پوری زندگی میں نمایاں رہی وہ اُن کی طبیعت کی شرافت و مروت تھی ۔ وہ بالکل بے آزار اور غیر منتقمانہ طبیعت کے آدمی تھے ۔ اُن کے لیے ظالم کے بجائے مظلوم بننا بہت آسان تھا ۔ ایک ایسی سوسائٹی میں، جو اس طرح کی صفات کی قدر کرنے کی عادی نہیں اُن کو اپنی اس افتادِ طبع کی بڑی قیمت ادا کرنی پڑی اور اپنی رضا مندی کے خلاف بہت سے فیصلے کرنے پڑے ۔''

''سید صاحب کے لیے علم کا معاملہ کسی پیشے، یا ضرورت یا کسی مجبوری اور مصلحت کا معاملہ نہ تھا ۔ علم اُن کا گوشت پوست بن گیا تھا اور اُن کے خون میں جاری و ساری ہو گیا تھا ۔ وہی اُن کی غذا تھی، وہی اُن کی تفریح اور وہی اُن کا اوڑھنا بچھونا ۔ اکثر دیکھا کہ اُن کا تانگہ دار العلوم (ندوہ) کے پھاٹک میں داخل ہوا اور جو پہلا شخص ملا، اُس سے کہا: '' فلاں فلاں استادوں کو خبر کر دو یا کتب خانہ سے فلاں فلاں کتاب لے آؤ'' ۔ مہمان خانہ پہنچ کر شیروانی اتاری، ہاتھ منہ دھویا اور چائے کے انتظار میں بیٹھے ۔ حدیث و فقہ کے استاذ آ گئے اور کسی علمی مسئلہ پر مذاکرہ شروع ہو گیا ۔ کتب خانہ سے کتاب پہنچ گئی ۔ اُس کا مطالعہ شروع ہو گیا ۔ اس میں

کسی فن کی تخصیص نہ تھی ۔ کبھی حدیث کا مسئلہ ہوتا ۔ کبھی فقہ کا ، کبھی کوئی تاریخی بحث ہوتی ، کبھی تذکرے اور تراجم کی کوئی بات ۔ جب تک قیام رہتا ، ان کی مجلسوں میں علمی مذاکرے اور بحث وتحقیق کے سوا کوئی موضوع نہ چھڑتا ۔ کسی سیاسی شخصیت یا عمائد شہر میں سے کسی کے آجانے سے کچھ موضوع بدل جاتا ، لیکن اُس کی' جملہ معترضہ سے زیادہ حیثیت نہ ہوتی ۔''

''بہت کم لوگوں کو اس کا علم ہوگا کہ سید صاحب ضلع جگت ،لفظی رعایت اور نکتہ آفرینی میں بڑا کمال رکھتے تھے ۔ اُن کے اس ذوق نے اُن کے بڑھے ہوے وقار اور متانت اور سنجیدگی کو خشکی اور یبوست تک پہنچنے نہیں دیا تھا ۔ یہ ذوق اُس وقت خاص طور پر نمایاں ہوتا تھا جب مولانا عبدالماجد دریا آبادی جیسے خوش مذاق اور زبان کے ادا شناس یا لکھنوی مذاق کے کوئی بزرگ تشریف لے آتے ۔ سید صاحب میں علمی کام کرنے کا بڑا ولولہ اور اُسکی قوت تھی ۔ وہ ہر تصنیف کو اس طرح مکمل کرنا چاہتے تھے اور اسی طرح اُس کی طرف متوجہ ہوتے تھے گویا یہ زندگی کی اصلی اور آخری تصنیف ہے ۔ وہ اُس کے سلسلہ میں اپنے امکان بھر کوئی کمی نہیں کرتے تھے ۔ اُس کے لیے ہزاروں صفحات کا مطالعہ کرتے ،معلومات واقتباسات جمع کرتے ، پھر مرتب کرتے ۔ اُس سے فارغ ہوتے ہی بجائے آرام کرنے کے کوئی دوسرا سلسلہ شروع کر دیتے اور اُسی انہماک ونشاط کے ساتھ اُس میں مصروف ہو جاتے ۔ انہوں نے اتنا بڑا تصنیفی ذخیرہ چھوڑا جو ایک پوری جماعت کو مصنف بنانے کے لئے کافی ہے ۔ یورپ وایشیا میں کئی آدمی مل کر زندگی کی تمام راحتوں اور سہولتوں کے ساتھ بعض اوقات اتنا علمی وتصنیفی کام نہیں کرتے جو سید صاحب نے تنہا انجام دیا ۔''

''تنہا ''سیرت النبی'' (جو صرف سیرت کی کتاب نہیں ، بلکہ اسلامی عقائد واخلاق کا انسائیکلو پیڈیا ہے) اُن کی کارکردگی کی صلاحیت اور قوتِ عمل کا نمونہ ہے ۔''حیات شبلی'' دیکھنے میں ایک نامور عالم کی شخصی سوانح ہے ، مگر حقیقتاً مسلمانوں کی ایک صدی کی دینی ، علمی ، تہذیبی اور فکری ارتقاء کی تاریخ ہے جس کے بغیر مسلمانوں کے قومی مزاج اور موجودہ دور کو سمجھنا مشکل ہے ۔ اس میں تقریباً تمام معاصر تحریکات اور اداروں کی سرگزشت بھی آگئی ہے ۔ تنہا اس کتاب میں سید صاحب نے ہزاروں صفحات کا نچوڑ اور بیسیوں کتب کا مواد جمع کر دیا ہے'' ۔ اُن کی کتابوں

نے بالخصوص ''خطبات مدراس'' اور ''سیرت عائشہؓ'' کے صفحات نے ہزاروں کو حلاوتِ ایمانی سے لذت آشنا کیا۔ دوسری طرف ''عرب و ہند کے تعلقات'' اور ''عربوں کی جہاز رانی'' اور ''خیام'' جیسی علمی تصانیف اُن کے قلم سے نکلیں جو کسی بھی مصنف کو شہرت عام اور بقائے دوام کے دربار میں جگہ دلانے کے لئے کافی ہیں۔ قرآن مجید میں جن ممالک اور شہروں کا ذکر آیا ہے، اُن کے جغرافیہ اور تاریخی معلومات پر اُن کی ابتدائی تصنیف ''ارض القرآن'' ہے جو ابھی تک اردو میں آخری چیز اور اس موضوع پر سب سے بڑا ماخذ ہے۔ ''نقوشِ سلیمانی'' کے بعض نقش ادبی حیثیت سے تعویز بنا کر رکھے جانے کے قابل ہیں۔''